4925CH35

خاکہ

'خاکہ' انگریزی لفظ اسکیچ (Sketch) کا ترجمہ ہے۔یعنی خاکہ میں کسی شخصیت کی منفرد اور نمایاں خصوصیات کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجائے۔

خاکہ نگاری کسی انسان کے ظاہر اور باطن کی عکاسی کا نام ہے۔ یہاں ظاہر سے مراد وہ انسان ہے جس کا خاکہ لکھا گیا ہے کہ وہ کیسا دکھائی دیتا ہے۔یعنی جسمانی لحاظ سے وہ کیسا ہے اور اس کی پوشاک، گفتگو، اٹھنے بیٹھنے کا انداز اور لوگوں سے روابط رکھنے کے سلسلے میں اس کا برتاؤ کس نوعیت کا ہے۔اسی طرح باطن سے مراد ہے اس کی سوچ، زندگی کے بارے میں اس کا نظریہ، اس کی خوش دلی، بخل، فیاضی، دکھ اور سکھ کے تجربات کے وقت اس کا رویّہ کس قسم کا ہے؟ اس کی پسند و ناپسند کیا ہے؟

خاکہ نگاری کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ آپ اسی شخص کا خاکہ لکھ سکتے ہیں جسے آپ بخوبی جانتے ہوں۔ جہاں تک سوانح نگاری اور خاکہ نگاری کے فرق کا تعلق ہے سوانح میں کسی شخص کے بارے میں ترتیب وار تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔جب کہ خاکے میں ہر بات کی تفصیل ضروری نہیں ہوتی ہے۔خاکہ نگار اور سوانح نگار کو اس شخص کی خوبیوں اور خامیوں دونوں پہلوؤں کی تصویر پیش کرنی پڑتی ہے۔

اردو میں خاکوں کے اولین نمونے تذکروں میں ملتے ہیں۔ محمد حسین آزاد کی کتاب 'آبِ حیات' میں قدرے تفصیل سے شعرا کے خط و خال، مزاج اور افتادِطبع کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اردو کے پہلے باضابطہ خاکہ نگار مرزا فرحت اللہ بیگ ہیں۔ ان کی تصنیف 'نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی' میں نذیر احمد کا خاکہ جس طور سے پیش کیا گیا ہے اس سے خاکہ نگاری کے اصول وضوابط بھی متعین کیے جا سکتے ہیں۔

1941 میں ڈاکٹر سید عابد حسین کے ریڈیو پر پڑھے گئے خاکوں کا مجموعہ 'کیا خوب آدمی تھا' شائع ہوا۔ بشیر احمد ہاشمی کے خاکے بعنوان 'گفت وشنید' (1943) اور اس کے بعد مولوی عبدالحق کے خاکوں کی کتاب 'چند ہم عصر' (1950) شائع ہوئی۔ اسی زمانے میں رشید احمد صدیقی کی 'گنج ہائے گرانمایہ' بھی منظرِ عام پر آئی۔ ان کے خاکوں کا دوسرا مجموعہ 'ہم نفسانِ رفتہ' ہے۔

سعادت حسن منٹو کے خاکوں کا مجموعہ 'گنجے فرشتے' (1952) ہے۔ اس میں انھوں نے افسانوی رنگ پیدا کیا ہے۔ عصمت چغتائی کا 'دوزخی' بھی ایک نئے انداز کا خاکہ ہے۔

اعجاز حسین، خواجہ حسن نظامی، شوکت تھانوی اور شاہد احمد دہلوی کے خاکے بھی وقیع خیال کیے جاتے ہیں۔ شاہد احمد دہلوی کا فن بہت پختہ ہے وہ چہرہ شناس بھی ہیں اور شخصیت کی نفسیات یعنی مزاج اور افتاد کو سمجھنے کی کامیاب کوشش بھی کرتے ہیں۔ شوکت تھانوی کے مزاج میں بے تکلفی اور بے ساختگی ہے۔ وہ اکثر شخصیت کے بہت سے پہلوؤں میں سے محض چند پر اکتفا کر لیتے ہیں اور انھیں سے خاکے کو لالہ زار بنا دیتے ہیں۔ اشرف صبوحی کے خاکوں کا مجموعہ 'دلّی کی چند عجیب ہستیاں' بھی قابلِ ذکر ہے۔ ان خاکوں میں تہذیبی زندگی کو ایک خاص پس منظر کے طور پر جگہ دی گئی ہے۔ علی جواد زیدی کے خاکوں کے مجموعے 'آپ سے ملیے' (1964) میں خاکہ نگاری کے فنی اصول و ضوابط کا خیال رکھا گیا ہے۔ کسی شخص کے مطالعے میں وہ حدِّ احتیاط کو کبھی عبور نہیں کرتے۔ ان کے یہاں مزاح کا تاثر کہیں کہیں ایک چمک سی پیدا کر دیتا ہے۔ مزاح کا یہ تاثر شفیقہ فرحت کے خاکوں میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ تخلص بھوپالی، یوسف ناظم، ضیاء الدین احمد برنی، محمد طفیل، احمد بشیر، مجتبیٰ حسین، انور ظہیر خاں، ندا فاضلی وغیرہ نے بھی دلچسپ خاکے لکھے ہیں۔

طنز و مزاح

طنز و مزاح نگاری زندگی کی ناہمواریوں اور مضحکہ خیز صورتِ حال کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کا اسلوب ہے۔ خالص مزاح نگار جس چیز پر ہنستا ہے، اس کے تعلق سے اس کا انداز ہمدردانہ ہوتا ہے۔طنز اور مزاح میں گہرا تعلق ہے۔طنز میں مزاح کی آمیزش سے اس کی تلخی میں کمی آجاتی ہے اور اس کی نشتریت گوارا ہو جاتی ہے۔کسی تحریر میں صرف طنز ہو تو اس کے غیر دلچسپ اور ناگوار ہونے کا ڈر رہتا ہے اور نرا مزاح بے مقصد ہنسی ٹھٹھول بن کر رہ جاتا ہے اس لیے عموماً ادیب یا شاعران دونوں کی آمیزش سے کام لیتے ہیں۔

طنز ومزاح نگار سماج میں پھیلی ہوئی بے راہ رویوں، انسانی کجرویوں اور تضادات پر قلم سے نشتر کا کام لیتا ہے۔وہ ادب میں اعلیٰ انسانی اقدار کو پیش کر کے مایوس اور افسردہ انسانوں کے زخموں پر مرہم لگاتا ہے۔کبھی کبھی اس کے طنز کی چوٹ اس قدر گہری ہوتی ہے کہ انسان تلملانے لگتا ہے۔لیکن غیر ارادی طور پر وہ خود پر ہنستا بھی ہے۔طنز و مزاح کا ایک مقصد اصلاح بھی ہے۔

اردو میں طنز ومزاح کے نمونے ہمیں ابتدائی دور ہی سے ملنے لگتے ہیں۔اردو شعرا وادبا نے ابتدا ہی سے کھوکھلے سماجی رویّوں، تضادات، معاشرتی اور سیاسی برائیوں، توہم پرستی اور فرسودہ روایات پر طنز کیا ہے۔

جعفر زٹلی نے اپنے عہد کے سیاسی وسماجی حالات، اقتصادی بدحالی اور تہذیبی زوال پر طنز ومزاح کے پیرائے میں اشعار کہے۔سودا نے اپنے گردو پیش کے انتشار، اخلاقی اور تہذیبی زوال، بے اعتدالی اور عدم توازن کو ہجو کا موضوع بنایا۔نظیر اکبرآبادی کے کلام میں بھی طنز ومزاح کے عناصر ملتے ہیں۔انشاء اللہ خاں انشا نے بھی طنز ومزاح سے کام لیا ہے۔ مرزا غالب کے یہاں بھی طنز وظرافت کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔انھوں نے اپنا بھی مذاق اڑایا ہے اور جبر محکومی اور اپنے مصائب پر بلیغ طنز کیا ہے۔

اخبار ''اودھ پنچ'' کی تحریروں میں طنز ومزاح کو باقاعدگی کے ساتھ برتا گیا۔اس میں لکھنے والوں نے مغرب پرستی، فیشن پسندی، سامراجیت، تہذیبی و اخلاقی زوال، سیاسی صورت حال اور معاشرتی کجروی کو نشانہ بنایا۔ان قلم کاروں نے تصنع اور بناوٹ پر کاری ضرب لگائی اور مغرب کی تہذیبی آندھی کو روکنے کی کوشش کی۔''اودھ پنچ'' کے قلم کاروں میں منشی سجاد حسین، پنڈت تربھون ناتھ ہجرؔ، احمد علی شوقؔ، عبدالغفور شہبازؔ اکبر الہ آبادی اور سید محمد آزاد زیادہ مشہور ہیں۔

''اودھ اخبار'' نے بھی نظم و نثر میں طنز و مزاح کے فروغ میں خاص کردار ادا کیا۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ناول ''فسانہ آزاد'' اسی میں قسط وار شائع ہوا تھا۔ طنز و مزاح کے اعتبار سے 'خوجی' ان کا نمائندہ کردار ہے۔

اکبر الہ آبادی نے طنز و مزاح کو ایک نئی بلندی عطا کی۔ وہ مشرقی اقدار و روایات کا احترام کرتے تھے اور اسے مغرب کی کورانہ تقلید سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ابتدائی دنوں میں طنزیہ و مزاحیہ نوعیت کی کئی نظمیں کہی ہیں۔ بعد کے دور میں راجا مہدی علی خاں، دلاور فگار، شاد عارفی، ضمیر جعفری اور رضا نقوی واہی نے طنزیہ و مزاحیہ شاعری کو اعتبار بخشا۔ نثر میں مُلّا رموزی، خواجہ حسن نظامی، مرزا فرحت اللہ بیگ، پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی اور تخلص بھوپالی نے اردو طنز و مزاح کو معیار و مواد کے اعتبار سے بلند کیا۔ اس دور کے دیگر اہم قلم کاروں میں امتیاز علی تاج، عظیم بیگ چغتائی، انجم مانپوری، وجاہت علی سندیلوی، کرشن چندر، کنہیا لال کپور، فکر تونسوی اور شوکت تھانوی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ موجودہ عہد کے ممتاز طنز و مزاح نگاروں میں ابن انشا، کرنل محمد خاں، مشفق خواجہ، شفیق الرحمٰن، مشتاق احمد یوسفی، یوسف ناظم، شفیقہ فرحت، احمد جمال پاشا اور مجتبیٰ حسین کے نام شامل ہیں۔

مکتوب نگاری

مکتوب، مراسلہ اور خط مترادف الفاظ ہیں۔ خط لکھنا پیغام رسانی کا اہم ذریعہ رہا ہے۔ یہ انسانی معاشرے کی روزمرہ کی ضرورت میں شامل ہے۔ خطوط میں لکھنے والے کی ضروریات، جذبات و خیالات اور اس کی زندگی کے دیگر مسائل بیان ہوتے ہیں۔ ان سے نہ صرف مکتوب نگار بلکہ مکتوب الیہ کی شخصیت پر بھی ہلکی سی روشنی پڑتی ہے۔ ادبی خطوط کی کوئی مخصوص ساخت اور فنی شرائط مقرر نہیں ہیں۔

مکتوب تین اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں:

- ادبی
- سوانحی
- تاریخی

ادبیت اور انشا پردازی کے سبب خطوط کو صنف کی حیثیت حاصل ہوئی۔ خطوط میں لکھنے والے کی شخصیت جھلکتی ہے۔ خطوط میں مکتوب نگار کا باطن کھل کر سامنے آتا ہے۔ لیکن اشاعت کی غرض سے لکھے جانے والے خطوط میں حقیقی شخصیت پس پردہ رہ جاتی ہے۔ سوانحی نقطۂ نظر سے وہ خطوط زیادہ اہم ہیں جن میں بے تکلفی، بے ساختگی اور ذاتی تاثرات کی جھلک ہو۔

تاریخی نقطۂ نظر سے بھی مکتوبات اہمیت رکھتے ہیں۔ مشاہیر کے خطوط میں بعض ایسے اشارے یا تفصیلات ہوتی ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ غالب کے خطوط میں 1857 سے قبل اور بعد کے بعض ایسے واقعات ہیں جن کا سراغ کہیں اور نہیں ملتا۔

اردو میں ادبی مکتوب نگاری کی روایت غالب سے شروع ہوتی ہے۔ غالب کے خطوط میں ان کی شخصیت اور ان کا عہد پوری طرح جھلکتا ہے۔ غالب کے بعد سرسید احمد، شبلی، اکبرالہ آبادی، علّامہ اقبال، مہدی افادی اور نیاز فتح پوری کے خطوط ادبی اہمیت کے حامل ہیں۔ پریم چند، محمد علی جوہر، احسن مارہروی، محمد علی ردولوی، جوش ملیح آبادی، سجاد ظہیر، عبدالماجد دریابادی، ابوالکلام آزاد، رشید احمد صدیقی، میراجی، منٹو اور فیض احمد فیض کے خطوط ہمارے مکتوباتی ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں۔